روزہ' قرآنی ہدایات کی روشنی میں

افادات سیّد قطب شہیدؒ

تقویٰ کی بنیادی اہمیت

اسلامی سماج کے لیے' جو مدینہ منورہ میں پہلی مرتبہ وجود میں آرہا تھا' کئی اجتماعی احکام سورۃ البقرہ میں بیان ہوئے ہیں - ساتھ ہی کچھ فرض عبادات کا ذکر ہے - دونوں قسم کے احکام' سورت میں پاس پاس' ایک مجموعے کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں - اور دونوں ایک ہی رسی ---- تقویٰ اور خشیت الٰہی --- سے مربوط ہیں۔ اجتماعی احکام ہوں یا عبادات کی تفصیلات' دونوں کے ذکر کے بعد تقویٰ کا ذکر یکساں طور پر آیا ہے' اور مسلسل آیا ہے۔ نیز یہ دونوں قسم کے احکام آیت "بر" کے بعد' جو ایمانی فکر کے بنیادی اصولوں اور عملی رویے کے بنیادی احکام پر مشتمل ہے' بیان ہوئے ہیں -

اسی سلسلے کی چند آیات (۱۷۸ تا ۱۸۸) ہیں۔ ان میں مقتولین کے قصاص اور اس کے سلسلے کے احکام کا تذکرہ ہے' ان میں موت کے وقت وصیت کرنے کا بیان ہے' پھر فریضۂ صوم اور دعا اور اعتکاف جیسی عبادات کا ذکر ہے' اور آخر میں مالی مقدمات کے سلسلے کے احکام ہیں۔

ان امور کا مسلسل ذکر اس دین کی حقیقت کی طرف ہمارے ذہن کو متوجہ کرتا ہے - وہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دین ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے - اس کے اجتماعی احکام' اس کے تشریعی اصول اور اس کی عبادات' سب کے سب اسلام کے عقیدے ہی سے پھوٹتے ہیں - سب اس کُلّی فکر سے' جو اس عقیدے سے پیدا ہوتی ہے' نکلتے ہیں - اور سب اللہ سے تعلق کی واحد رسی سے بندھے ہوئے ہیں - ان سب کی غایت ایک ہے - اور وہ ہے واحد اللہ کی عبادت' جس نے پیدا کیا' جو رزق دیتا ہے اور جس نے انسانوں کو اپنی اس مملکت --- زمین ---- میں

اپنا خلیفہ بنایا ۔ اور خلافت کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ وہ اللہ وحدہٗ لا شریک پر ایمان لائیں ' اس کی عبادت بجا لاکر اسی کی طرف متوجہ ہوں ' اور اپنی فکر ' اپنے اجتماعی احکام اور اپنے قوانین ' سب اسی سے حاصل کریں۔

تقویٰ وہ مضبوط رسی ہے جو انسانی نفوس کو ظلم و زیادتی سے روکے رکھتی ہے۔ ظلم و زیادتی قتل کے اقدام کی صورت میں ہو' ظلم یا قتل کا بدلہ لینے کی صورت میں ۔ یہ تقویٰ کیا ہے ؟ دلوں کا احساس ذمہ داری ! خوف خدا ! اللہ کے غضب سے بچنے کی فکر ! اور اس کی رضا کی طلب !

تقویٰ کے بغیر کوئی شریعت قائم نہیں رہ سکتی ' کوئی قانون کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتا۔ اور اجتماعی قوانین اور ادارے ' جو احساسِ ذمہ داری اور خوف اور طمع کے جذبات سے عاری ہوں ' فرد کی قوت سے زیادہ قوت کے حامل نہیں ہو سکتے۔

روزے کا مقام اور غایت

یہ ایک فطری بات ہے کہ جس امت پر اللہ کے نظام کو دنیا میں قائم کرنے ' اور اس کے ذریعہ نوعِ انسانی کی قیادت کرنے اور انسانوں کے سامنے حق کی گواہی دینے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ فرض کیا جائے ' اس پر روزہ فرض ہو ۔ روزہ ہی سے انسان میں محکم ارادے اور عزم بالجزم کا نشوونما ہوتا ہے ۔ روزہ ہی وہ مقام ہے جہاں بندہ اپنے رب سے اطاعت و انقیاد کے ساتھ مربوط ہوتا ہے ۔ پھر روزہ ہی وہ عمل ہے جس کے ذریعہ انسان تمام جسمانی ضرورتوں پر قابو پاتا اور تمام دشواریوں اور زحمتوں کو ---- جو وہ صرف اس لیے اٹھاتا ہے کہ اس کا خدا اس سے راضی ہو اور خدا کے یہاں جو اجر ہے ' وہ اسے حاصل ہو ------ برداشت کرنے کی قوت حاصل کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس راہ کی ----- جو گھاٹیوں اور کانٹوں سے بھری ہوئی ہے ' جس کے اطراف و جوانب میں مرغوبات و لذائذ بکھرے پڑے ہیں ' اور جس پر چلنے والوں کو بہکانے والی ہزار ہا صدائیں مسلسل اٹھتی رہتی ہیں ----- مشقتوں اور صعوبتوں کو برداشت کرنے کے لیے نفوسِ انسانی کی تیاری کے مقصد کے لیے یہ عناصر لازمی و ناگزیر ہیں۔

روزے کے وہ فوائد اس کے علاوہ ہیں جو تجربہ اور مشاہدہ سے جسمانی وظائف کے سلسلے میں منکشف ہوئے ہیں ۔ میرا اپنا میلان یہ ہے کہ عبادات کے سلسلے میں خدائی ہدایات کو بطور خاص حسی و مادی فوائد سے وابستہ نہ کیا جائے ۔ کیونکہ ان ہدایات میں خدا کی اصل حکمت یہ

ہے کہ انسانی وجود کو زمین میں اپنا رول ادا کرنے کے لیے تیار کیا جائے ' اور اخروی زندگی میں اس کے لیے جو کمال مقدر ہے اس کے لیے اس کی تربیت کی جائے۔

اس کے باوجود میں اسے پسند نہیں کرتا کہ ان فرائض اور ان خدائی تعلیمات کے جو فوائد مشاہدے میں آئے ہیں ' یا جن کا انکشاف علمِ انسانی سے ہوا ہے ' ان کا انکار کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کے لیے جو فرائض متعین کرتا ہے اور جن امور کی وہ ہدایت دیتا ہے ' ان سب میں اس انسانی وجود کے لیے خدائی تدبیر کی بہت سی مصلحتیں ہیں ' اور ان میں یہ فوائد بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہم خدائی احکام کی حکمت کو علمِ انسانی کے ان انکشافات پر معلق نہیں کر سکتے۔ اس علم کا دائرہ بہر حال محدود اور تنگ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا ---- جس کے تحت وہ انسانی وجود کی تربیت کر رہا ہے یا جس کے تحت وہ طبیعی میدان میں اس کائنات کو پروان چڑھا رہا ہے ---- احاطہ و استیعاب کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ جانتا ہے کہ انسان کو کوئی حکم دینا ہو تو ضروری ہے کہ اس کی مدد کی جائے اور اس کے جذبات کو ابھارا جائے ' تاکہ وہ اس کی پکار پر لبیک کہے اور خوشی خوشی اس بار کو اٹھائے۔ اسی لیے وہ واضح کرتا ہے کہ روزہ کے حکم میں کیا حکمتیں اور فوائد ہیں ' تاکہ اسے اطمینانِ قلب حاصل ہو اور وہ اس حکم سے مانوس ہو سکے۔

سب سے پہلے وہ روزے کے احکام کی ابتداء "اے ایمان لانے والو!" کی اس ندا سے کرتا ہے جو اہلِ ایمان کو محبوب ہے۔ اس ندا سے وہ انہیں ان کی اصل حقیقت یاد دلاتا ہے۔ پھر وہ انہیں بتاتا ہے کہ روزہ ایک قدیم فریضہ ہے جو ہر خدائی شریعت میں اہلِ ایمان پر فرض رہا ہے۔ اس فریضہ کا اولین مقصود تقویٰ ' صفائے قلب ' احساسِ ذمّہ داری اور خشیتِ الٰہی کے لیے دلوں کو تیار کرنا ہے۔

وہ فرماتا ہے '

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

اے ایمان لانے والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ امید ہے کہ تم خدا ترس بنو گے۔

اس آیت سے روزے کی عظیم غایت سامنے آتی ہے۔ یہ تقویٰ ہے! تقویٰ دل میں زندہ و بیدار ہو تو مومن روزہ کے فریضہ کو اللہ کی فرمان برداری کے جذبے کے تحت ' اس کی رضا جوئی

کے لیے ادا کرتا ہے۔ تقویٰ ہی دلوں کا نگہبان ہے۔ وہی معصیت سے روزے کو خراب کرنے سے انسان کو بچاتا ہے ' خواہ یہ دل میں گزرنے والا خیال ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن کے اولین مخاطب جانتے تھے کہ اللہ کے یہاں تقویٰ کا کیا مقام ہے اور اس کی میزان میں تقویٰ کا کیا وزن۔ یہی ان کی منزلِ مقصود تھی ' جس کی طرف ان کی روحیں لپکتی تھیں۔ روزہ اس کے حصول کا ذریعہ اور اس تک پہنچانے کا راستہ ہے! قرآن اس تقویٰ 'کو منزلِ مقصود کی حیثیت سے ان کے سامنے رکھتا ہے تاکہ روزے کے راستے سے وہ اس منزل کا رخ کر سکیں۔ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ**۔

قرآن' اس کے بعد' نفسِ انسانی کو روزہ سے مانوس کرنے کے لیے ' واضح کرتا ہے کہ روزے ہمیشہ کے لیے اور عمر بھر نہیں رکھنا ہیں۔ صرف چند دن کے روزے ہیں! اس کے ساتھ بیماروں کو ---- جب تک وہ صحت یاب نہ ہو جائیں ---- اور مسافروں کو ---- جب تک وہ مقیم نہ ہو جائیں ---- روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے ' تاکہ وہ دشواری میں نہ پڑیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ترغیب دیتا ہے کہ سفر اور مرض کے علاوہ ہر حال میں روزہ رکھیں۔ خواہ انہیں تکلیف اور مشقت سے دوچار ہونا پڑے۔

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

"تم روزہ رکھو ' یہی تمھارے لیے بہتر ہے ' اگر تم علم (و فہم) رکھتے ہو!"

روزہ ہر حالت میں سر تا سر خیر ہے۔ روزہ کے سلسلے میں جو بات کھل کر ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ روزہ ارادے کی تربیت ' قوتِ برداشت کی تقویت اور راحت و آرام کے مقابلے میں اللہ کی عبادت کو ترجیح دینے کے لیے ہے ' اور یہ سب امور اسلامی تربیت میں مطلوب ہیں۔ غیر مریض کے لیے روزے میں صحت کے پہلو سے جو فوائد ہیں ' وہ مزید براں ہیں۔ اس لیے خواہ روزہ دار کو تکلیف اور مشقت محسوس ہو ' روزہ ہی اس کے لیے بہتر ہے۔

رمضان کی اہمیت

اللہ تعالیٰ تندرست اور مقیم کے لیے اس فریضہ کی ادائیگی کو ایک اور پہلو سے بھی مرغوب و محبوب بناتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ رمضان کے روزے ہیں! اس مہینے کے روزے جس میں قرآن نازل ہوا! وہ قرآن جو اس امت کی دائمی و ابدی کتاب ہدایت ہے! جو اسے تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائی! جس نے اسے یہ وجود عطا کیا! جس نے اس کے خوف و ہراس کو امن و امان سے بدل دیا! جس نے اسے زمین میں غلبہ و اقتدار بخشا! اور جس نے اسے وہ تمام بنیادی عناصر عطا کیے جن سے وہ ایک امت بنی! قرآن سے پہلے وہ کچھ بھی نہ تھی اور ان بنیادی عناصر

کے بغیر وہ ایک امت نہیں رہتی ۔ نہ زمین میں اس کا کوئی مقام رہتا اور نہ آسمان میں اس کا کوئی ذکر۔ قرآن کی اس نعمت کا کم سے کم شکر یہ ہے کہ ہم اس مہینے کے روزے رکھیں جس میں قرآن نازل ہو۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ انسانوں کے لیے سرتاسر ہدایت ۔ جس میں راہ راست کے واضح دلائل اور (حق و باطل کے درمیان) فرق و امتیاز کرنے والی تعلیمات ہیں ۔ تو تم میں سے جو کوئی یہ مہینہ پائے وہ اس (مہینے) کے روزے رکھے۔

دین آسان ہے

قرآن تیسری بار اس فریضہ کی ادائیگی کا شوق دلاتے ہوئے اس حکم کے دینے اور رخصتیں عطا کرنے ' دونوں میں ' اللہ کی یہ رحمت بیان کرتا ہے ۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ

اللہ تمہارے لیے سہولت چاہتا ہے ! تمہیں دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا !

اس عقیدے اور اس دین کے تمام احکام کے سلسلے کا یہ ایک عظیم قاعدہ ہے کہ یہ سب احکام آسان ہیں ' ان میں کوئی دشواری نہیں ۔ ہر با ذوق دل یہ بخوبی محسوس کرتا ہے کہ پوری زندگی میں یہ احکام سہولت اور نرمی کے حامل ہیں ۔ یہی نہیں ' یہ احکام مسلمان فرد پر سہولت اور فراخی کی چھاپ لگا دیتے ہیں ' جس میں کوئی تکلف اور پیچیدگی نہیں ہوتی ۔ نرمی اور فراخی کی اس خصلت کے ساتھ تمام ذمہ داریاں ' تمام فرائض اور سنجیدہ زندگی کی تمام سرگرمیاں حسن و خوبی کے ساتھ اس طرح ادا ہوتی ہیں گویا کہ رواں پانی کی ایک گزر گاہ ہے جس میں آسانی کے ساتھ پانی بہہ رہا ہے ۔ یا ایک درخت ہے جو آسانی کے ساتھ اوپر کی جانب بڑھتا اور نشوونما پاتا چلا جا رہا ہے ۔ اور یہ سب کچھ طمانیت ' اعتماد اور اللہ کی رضا و خوشنودی کی فضا میں ہوتا ہے ۔ اس کے ساتھ بندے کو اللہ کی رحمت کا اور اس بات کا مسلسل شعور رہتا ہے کہ اللہ اپنے مومن بندوں کے لیے سہولت چاہتا ہے ' انہیں دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا ۔

روزہ پر شکر

روزہ درحقیقت ایک ایسی نعمت بھی ہے جس پر خدا کی بڑائی کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا

چاہیے!

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

اور تم اللہ کی کبریائی کا اعتراف کرو اس بات پر کہ اس نے تمہیں ہدایت سے نوازا۔ اور امید ہے کہ تم (اس کا) شکر ادا کرو گے۔

اس لیے کہ روزہ کی ایک غرض و غایت یہ بھی ہے کہ اہلِ ایمان اس ہدایت کی قدر و قیمت کا احساس کریں جو اللہ نے انہیں عطا کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روزے کے زمانے میں اہلِ ایمان ہر زمانے سے زیادہ اس ہدایت کی قدر و قیمت کو اپنے نفوس میں محسوس کرتے ہیں۔ روزے کی حالت میں ان کے دل خدا کی نا فرمانی کے لیے سوچ بچار سے اور ان کے اعضاء و جوارح معصیت کے ارتکاب سے رکے ہوتے ہیں۔ انہیں خدا کی ہدایت کا اس طرح زندہ احساس ہوتا ہے گویا کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو رہے ہوں۔ اور یہ سب اس لیے کہ وہ اس ہدایت پر اللہ کی کبریائی کا اعتراف اور اس عظیم نعمت کی بخشش پر اس کا شکر ادا کریں، اور روزے کی اس اطاعت کے ذریعہ ان کے دل خدا کی طرف رجوع ہوں۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ روزہ، جو جسم اور نفسِ انسانی پر شاق ہے، اللہ کی عظیم نعمت ہے، اور اس کی غرض و غایت مومن کی تربیت ہے اور امتِ مسلمہ کو اس رول کے ادا کرنے کے لیے تیار کرنا ہے جسے ادا کرنے کے لیے وہ برپا کی گئی ہے۔ اس رول کی ادائیگی کی حفاظت تقویٰ، اللہ کے نگران و نگہبان ہونے کے شعور اور ضمیر کے احساس ذمہ داری سے ہوتی ہے۔

روزے کا عظیم اجر، قربِ الٰہی

قبل اس کے کہ روزے کے اوقات، اور روزے میں مختلف چیزوں سے متمتع ہونے اور ان سے باز رہنے کے تفصیلی احکام بیان ہوں، ہم درمیان میں ایک عجیب و غریب آیت پاتے ہیں۔ یہ آیت دل کی گہرائیوں میں اترتی چلی جاتی ہے۔ اس آیت میں ہم روزے کی مشقت کا پورا اور محبوب و مرغوب عوض اور اللہ کی دعوت پر لبیک کہنے کی فوری جزا پاتے ہیں۔ یہ عوض، اور یہ جزا کیا ہے؟ اللہ کا قرب، اور اس کا ہماری دعاؤں کو قبول فرمانا! اس حقیقت کی تصویر کشی ایسے صاف شفاف الفاظ سے کی گئی ہے کہ ان سے روشنی پھوٹی پڑتی ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○

جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہی ہوں۔ میں

پکارنے والے کی پکار کا ' جب وہ مجھے پکارتا ہے ' جواب دیتا ہوں ۔ تو انہیں چاہیے کہ وہ میری پکار پر لبیک کہیں اور مجھ پر یقین رکھیں ۔ امید ہے وہ راہ راست اختیار کر سکیں گے ۔

"میں قریب ہوں ! میں پکارنے والے کی پکار کا ' جب وہ مجھے پکارتا ہے ' جواب دیتا ہوں !" ----- کتنی نرمی ! کتنی شفقت ! کتنی محبت ! کتنا انس اور کتنا نور ہے ان الفاظ میں ! اس محبت ' اس شفقت اور اس قرب کے مقابلے میں روزے اور کسی بھی حکم کی مشقت کی کیا حیثیت ہے؟ آیت کے ایک ایک لفظ سے یہ محبوب طراوت اور ٹھنڈک ٹپکی پڑتی ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی نسبت اپنی طرف فرمائی ' میرے بندے کہا ۔ اور سوال کا جواب براہ راست خود دیا ۔ یہ نہیں فرمایا " ان سے کہو ' میں قریب ہوں "۔ اس کے بجائے اللہ کی ذات گرامی نے سوال کرتے ہی اپنے بندوں کو خود ہی جواب عطا فرمایا کہ "میں قریب ہوں " اسی طرح یہ نہیں فرمایا کہ "میں دعا کو سنتا ہوں " ۔ اس کے بجائے اجابت دعا کا اعلان کیا کہ "میں دعا کرنے والے کی دعا کو ' جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے ' قبول کرتا ہوں"۔

یہ ایک عجیب و غریب آیت ہے ! یہ آیت مومن کے قلب میں شیریں طراوت ' انس و محبت ' رضا و طمانیت اور اعتماد و یقین کو انڈیل دیتی ہے ۔ اور اس کے نتیجہ میں مومن کی زندگی اطمینان و سکون اور محبت و قربت سے بہرہ ور ہوتی اور مومن کو ایک پر امن جائے پناہ اور پر سکون جائے قرار نصیب ہوتی ہے۔

اس محبوب انس ' اس پر خلوص قرب اور خدا کی طرف سے اجابتِ دعا کی اس بشارت کے سائے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو متوجہ فرماتا ہے کہ وہ اس کی دعوت پر لبیک کہیں اور اس پر یقین رکھیں ! امید ہے کہ یہ روش ان کی ہدایت و رشد اور خیر و صلاح کی موجب بنے گی ۔

اللہ کی دعوت پر لبیک کہنے اور اس پر ایمان و یقین رکھنے کا آخری ثمرہ بندوں ہی کے لیے ہے ۔ یہ ثمرہ ہے رشد و ہدایت اور خیر و صلاح ۔ ورنہ اللہ تو اہلِ جہاں (اور ان کی عبادت و اطاعت) سے بے نیاز ہے۔

اللہ پر ایمان و یقین اور اس کی دعوت پر لبیک کہنے سے جو رشد پیدا ہوتا ہے ' رشد بس وہی ہے ۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے نوع انسانی کے لیے جو خدائی نظام پسند کیا ہے وہی واحد صحیح ' راست اور معتدل نظام ہے ۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ جاہلیت و حماقت ہے جسے کوئی سمجھ دار اور راست رو انسان پسند کر سکتا ہے اور نہ وہ رشد و ہدایت کی طرف لے جانے والا ہے۔ اور

اللہ کے یہاں سے بندوں کی دعاؤں کی قبولیت کی امید اسی وقت کی جا سکتی ہے جب کہ بندے اس کی دعوت پر لبیک کہیں' اور راہ راست پر گامزن ہوں۔ بندوں کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ سے دعا کریں' اور اس کی قبولیت کے سلسلے میں جلد بازی نہ کریں۔ کیونکہ دعا اپنے وقت پر ہی قبول ہو گی' جسے اللہ تعالیٰ اپنے حکیمانہ منصوبے کے تحت متعین فرماتا ہے۔

دعا کی قبولیت

ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'

> اللہ تعالیٰ کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ بندہ اپنے دونوں ہاتھ اس کے آگے پھیلائے' اور اس سے کسی بھلی چیز کا سوال کرے' اور وہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹا دے۔

ترمذی نے اور امام احمد نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'

> زمین کی پشت پر رہنے والا جو مسلمان بھی اللہ عزوجل سے کوئی دعا مانگتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کی مانگی ہوئی چیز دے دیتا ہے' یا اس جیسی کسی مصیبت کو آنے سے روک دیتا ہے' جب تک کہ وہ گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'

> تم میں سے ہر شخص کی دعا قبول ہو گی' الا یہ کہ وہ جلد بازی کرے اور کہے' میں نے دعا کی اور وہ قبول نہیں ہوئی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'

> بندے کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے' جب تک وہ جلد بازی نہ کرے۔ پوچھا گیا' اے اللہ کے رسولؐ! جلد بازی کیا ہے؟ فرمایا' دعا کرنے والا کہے کہ میں نے دعا کی' اور پھر کی' لیکن مجھے نظر نہیں آرہا کہ میری دعا قبول ہو گی۔ پھر وہ تھک کر بیٹھ جاتا ہے اور دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

اور روزہ دار کی دعا سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے' جیسا کہ امام ابوداؤد طیالسیؒ نے اپنی مسند میں اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا'

> "عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' انھوں نے کہا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ انہوں نے فرمایا' روزہ دار کے افطار کے وقت

اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ جب روزہ افطار کرتے تو اپنے اہل و عیال کو بلاتے اور دعا کرتے۔

اور ابن ماجہؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا '

روزے دار کی دعا ' جو وہ افطار کے وقت کرے ' رد نہیں ہوتی۔

اور احمدؒ ' ترمذیؒ ' نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا '

تین اشخاص ہیں ' جن کی دعا رد نہیں ہوتی۔ عادل فرماں روا ' روزہ دار جب کہ وہ افطار کرے ' اور مظلوم کی دعا جسے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بادلوں سے اوپر اٹھائے گا۔ اس کی دعا کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں ' اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "میری عزت و جلال کی قسم! میں تیری ضرور مدد کروں گا ' خواہ کچھ مدت بعد ہو!"

اسی لیے روزے کے بیان کے درمیان میں دعا کا ذکر آیا ہے۔

حرام و ناحق مال کھانے کی ممانعت

روزہ رکھنے اور روزے کے دوران کھانے پینے سے باز رہنے کے حکم کے زیر سایہ ایک اور قسم کے کھانے کی ممانعت آتی ہے۔ اور وہ ہے "لوگوں کے مال ناحق طور پر کھانا"۔ اس کی شکل یہ ہے کہ عدالت میں مقدمہ دائر کیا جائے ' اور قرائن و حالات اور دستاویزوں کے سلسلے میں حاکم کو مغالطہ میں مبتلا کیا جائے ' اور چرب زبانی اور حجت بازی سے اسے دھوکا دیا جائے ' تاکہ وہ ان حالات کے مطابق فیصلہ کر دے جو اس کے سامنے آئے ہیں ' حالانکہ حقیقت واقعی اس کے خلاف ہے۔ یہ ممانعت حدود اللہ کے ذکر اور اللہ سے تقویٰ کی دعوت کے بعد کی گئی ' تاکہ خشیتِ الٰہی کا ' جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کے ارتکاب سے انسان کو روکتی ہے 'سایہ اور اثر برقرار رہے۔

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اور تم لوگ آپس میں اپنے مال ناحق طور پر نہ کھاؤ ' نہ انہیں حکام کے پاس لے جاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ حق تلفی کر کے ہڑپ کر لو ' جانتے بوجھتے۔

اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ یہ آیت ایک ایسے شخص کے سلسلے

میں ہے جس کے پاس کسی کا مال ہو مگر اس کے سلسلے میں میں کوئی ثبوت موجود نہ ہو' پھر وہ انکار کر دے کہ اس کے پاس کسی کا مال ہے۔ اور وہ حکام کے پاس جا کر مقدمہ بازی کرے' حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ اس پر دوسرے کا حق ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ دوسرے کی حق تلفی کر رہا ہے' اور حرام کھا رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں ایک انسان ہوں! میرے پاس کوئی شخص مقدمہ لے کر آتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ تم میں سے وہ شخص دلیل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ تیز ہو اور میں (اس کے دلائل سے متاثر ہو کر) اس کے حق میں فیصلہ کر دوں! تو اگر میں (غلطی سے) کسی مسلمان کا حق دوسرے شخص کو دے دوں تو یہ اس کے لیے دوزخ کی آگ کا ایک ٹکڑا ہے' خواہ وہ اسے اٹھا کر لے جائے یا اسے چھوڑ دے!"

اس طرح وہ انہیں ان کے اس علم کے حوالے کر دیتا ہے جو وہ اپنے دعوے کی حقیقت و اصلیت کے بارے میں رکھتے ہیں! کیونکہ حاکم کے فیصلے سے نہ حرام حلال ہوتا ہے اور نہ حلال حرام۔ حاکم کے لیے تو لازم ہے کہ وہ ظاہر کے مطابق فیصلہ کرے' اور گناہ اس شخص پر ہو گا جو حیلے بہانے کر کے غلط فیصلہ کرا لے۔

اس طرح مقدمہ اور مال و دولت کا معاملہ بھی اللہ کے تقویٰ سے متعلق ہو جاتا ہے' جیسا کہ قصاص' وصیت اور روزہ بھی تقویٰ سے متعلق و مربوط ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب امور کامل خدائی نظام کے جسم کے مختلف مربوط اعضاء و اجزاء ہیں اور یہ سب ایک ہی رشتے ---- تقویٰ ----- سے مربوط ہیں' جس سے کہ اس نظام کے تمام ٹکڑے مربوط ہیں۔ اس طرح خدائی نظامِ واحد وحدت کی شکل اختیار کر لیتا ہے' جس کے اجزاء کو متفرق اور ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے کسی ایک جزو کو ترک کر دینا اور دوسرے جزو پر عمل کرنا کتابِ الٰہی کے ایک حصہ پر ایمان اور دوسرے حصے کے انکار کے مترادف ہے۔ اور انجام کے لحاظ سے یہ کفر ہی ہے۔

فی ظلال القرآن' جلد اوّل' اردو ترجمہ سید حامد علی' لاہور

(ترتیب: خرم مراد)